© rasailojaraid.com

محمد اسحاق بھٹی

# روزے کا فلسفہ اور اس کے احکام

## شاہ ولی اللہ کے نقطۂ فکر سے

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں اسلام کے اصولوں اور اس کے اوامر و نواہی کے بعض پہلوؤں پر نہایت عمدہ اور فلسفیانہ بحث کی ہے اور اپنے مخصوص انداز میں ان نکات کو اجاگر کیا ہے جو کسی عمل و فعل کے بارے میں اسلام کا مقصودِ اصلی ہیں۔ ان میں سے ایک عمل روزہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہٗ نے باب الصوم میں اس پر بڑی لطیف اور پُرمغز بحث کی ہے۔ ماہِ رمضان کی مناسبت سے ہم اس عجیب و غریب بحث کے بعض حصوں کا اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں، امید ہے اس کا مطالعہ دلچسپی سے کیا جائے گا ــــ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

بہیمی و حیوانی میلانات و جذبات چوں کہ انسان کو روحانیت اور پاکیزہ روشی کی منزل کی طرف بڑھنے سے روکتے ہیں، اس لیے ضروری ٹھہرا کہ ان کے غلبہ و استیلا کا خاتمہ کیا جائے اور ایسے مواقع فراہم کیے جائیں کہ انسان روحانی اقدار کی طرف گام فرسا رہے۔ پھر انسانی طبائع پر بہیمیت کی اثر آفرینیوں کا باعث چوں کہ بہت حد تک اکل و شرب میں غلو اور لذائذ شہوانیہ میں بے جا انہماک ہے، بنابریں شریعتِ اسلامی نے لازمی قرار دیا کہ اس جذبے میں کمی پیدا کی جائے اور ان امور میں اعتدال و احتیاط کے تقاضوں کو بہرحال ملحوظِ خاطر رکھا جائے ــــ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ انسان میں جذبۂ روحانیت کے اظہار کے متمنی اور ابھرنے کے خواہاں ہیں، وہ قطع نظر اس کے کہ کس مذہب کے پابند اور کس ملک کے باشندے ہیں، اس بات پر متفق ہیں کہ اخلاقی اقدار کو بلند اور روحانی جذبے کو اونچا کرنے کے لیے تقصیرِ غذا اور تقلیلِ لذائذِ شہوانیہ کے نسخے پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے، کیوں کہ یہی وہ راہ ہے جو بہیمیت کی گردن کو ملکیت کے حضور جھکا سکتی ہے اور اسی سے روحانیت کے نقوش انسان کے لوحِ قلب پر مرتسم ہو سکتے ہیں۔ یہ چیز اگر کسی خوش نصیب کو حاصل ہو جائے تو وہ بلا کسی ادنیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاثل کے رذائلِ دنیوی سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور روحانی تقاضوں کی پاکیزگیاں اس کے اندر جاگزیں ہوجاتی ہیں۔ سرکشی و تمرد کا غلط جذبہ اس کے صفحۂ ذہن سے محو ہوجاتا ہے اور بہیمیت کے اوصافِ رذیلہ سے وہ اپنے آپ کو قطعی پاک وصاف سمجھنے لگتا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ روحانیت اور بہیمیت کے تقاضے ایک دوسرے سے بالکل متضاد اور متباعد ہیں، جو چیز جذبۂ روحانیت پسندیدہ ہے، بہیمیت اس سے دور بھاگتی ہے، اور جو شی بہیمیت کو مرغوب ومطلوب ہے، روحانیت اس کو ایک ثانیہ کے لیے بھی لائقِ اعتنا نہیں سمجھتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور بزرگی کے بارے میں حصولِ معرفت، روحانیت و ملکیت کا ایک خاص موضو ہے۔ لیکن بہیمیت کو اس سے قطعاً کوئی علاقہ اور واسطہ نہیں۔ اسی طرح ایسی چیزوں کا ترک او ان سے قطع تعلق جو بہیمیت کے لیے باعثِ کشش ہیں، جن سے جذبۂ حیوانیت میں اضافہ ہوتا اور نفسِ امارہ کے تشوقات و میلانات کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں، وہ روحانیت کو کسی صورت میں مطلوب نہیں۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر ذرا اس پر غور کیجیے کہ یہ چیز نگاہِ ظاہر بین کے لیے کس قدر تحیر زا ہے کہ تمام اشیائے اکل وشرب انسان کے سامنے بکھری پڑی ہیں لیکن وہ ان سے قطعی کنارہ کش اور قطعی بے نیاز ہے، کیوں کہ وہ روزے کی حالت میں ہے۔ پھر انسانی طبائع میں چوں کہ یہ کم پہلو پایا جاتا ہے کہ وہ لذائذ شہوانی اور تعیشاتِ دنیوی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بُعد نہیں اختیا کرسکتا، کیوں کہ اس کی زندگی کا جو انداز ہے وہ ایسا ہے کہ اس کے سامنے بوقلموں اور متنوع چیز ہر وقت با افراط موجود رہتی ہیں۔ لہٰذا ضروری قرار پایا کہ اس کے اوقات میں سے ایک ایسا وق متعین کر دیا جائے جب کہ اس کے اکل وشرب پر کچھ قابلِ برداشت پابندیاں عائد ہوں اور کے نفسانی تقاضوں کی تکمیل پر بعض گوارا شرائط کا اضافہ ہو۔

تقلیلِ اکل وشرب اور تقصیرِ لذائذ شہوانی کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بہت کھایا جائے، دوسرے یہ کہ روزانہ کے مقررہ نظام سے دیر کرکے لذتِ کام و دہن میں مشغول ہوجا شریعتِ اسلامی کے نزدیک دوسرا انداز زیادہ معقول اور لائقِ عمل ہے۔ اس لیے کہ اس سے انسان کے ضعف و اضمحلال میں اضافہ ہوتا ہے اور جسم کا ہر عضو ایک طرح کی تکان اور کمزوری محسو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کرتا ہے جیسے جیسے بھوک اور پیاس کی شدت کا احساس تیز ہوتا جاتا ہے، عالم بہیمیت میں خوف ودہشت اور پریشانی و حیرانی پھیلتی جاتی ہے —— اور اگر تقلیلِ غذا کے پہلے طریقے پر عمل کیا جائے یعنی خورد و نوش کی مقدار میں تو کمی کر دی جائے لیکن وقت کا کوئی تعین نہ کیا جائے تو اس سے صرف یہ ہوگا کہ انسانی جسم میں ضعف و نقاہت بڑھے گی اور نفسِ امارہ اس کو کوئی اہمیت نہ دے گا، اگرچہ وہ اس سے کتنا ہی متاثر کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں سب لوگوں کو اس پر پابندیٔ عمل کا مکلف نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیوں کہ لوگوں کی مقدارِ اکل و شرب میں نمایاں تفاوت ہوتا ہے، کسی کی خوراک کم ہوتی ہے کسی کی زیادہ۔ اس سے اس بات کا امکان رہتا ہے کہ ایک شخص کی مقدارِ غذا کا استعمال دوسرے کے لیے باعث ہلاکت ثابت ہو جائے۔ مثلاً ایک آدمی پاؤ بھر کھاتا ہے اور دوسرا سیر بھر۔ ظاہر ہے، اگر ان کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی روزانہ کی خوراک میں اس طرح کمی کریں کہ پاؤ بھر کھانے والا ایک چھٹانک پر گزر کرے، اور سیر بھر کھانے والا آدھ پاؤ پر آجائے تو اس سے بہیمیت ختم نہیں ہوگی بلکہ یہ ہوگا کہ ان کی مقدارِ غذا میں انتہائی قلت کی وجہ سے عدم اعتدال پیدا ہو جائے گا اور یہ بات ان کی موت و ہلاکت پر منتج ہوگی۔ اس لیے شریعت نے تقلیلِ غذا کی اس پہلی شق کو لائق التفات ہی نہیں گردانا۔ بہرکیف مقدارِ غذا کے تعین کو لوگوں کی اپنی صواب دید پر چھوڑ دینے سے وہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے جو شریعت کو مطلوب ہیں۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب شریعت کو روحانیت و ملکیت کے مقابلے میں بہیمیت کو شکست دینا ہی مقصود ہے تو یہ مقصد اس طرح بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان ایک دن میں اگر دو وقت کھانا کھاتا ہے تو ایک وقت پر آجائے۔ یا یہ عہد کر لے کہ تین روز میں چھ وقت کھانے کے بجائے دو وقت کھانے پر ہی اکتفا کرے گا اور متواتر دو ہفتے تک اسی کو اپنا معمول ٹھہرائے رکھے گا۔

بات یہ ہے کہ اس سے بھی مقصدِ اصلی حاصل نہیں ہو سکے گا، کیوں کہ شریعت کا منشا انسان کو خواہ مخواہ تکلفات میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کی اس نہج سے تربیت کرنا ہے کہ اس میں بہیمیت کو مغلوب کرنے کی صلاحیتیں نشوونما پائیں، اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ انسان تقلیلِ غذا اور تقصیرِ لذائذ شہوانی کی مشق و تمرین کرے۔ ہفتے میں ایک یا دو روز یا سال بھر میں ایک دو ہفتوں سے یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا اور اس کی اثر انگیزیوں میں وسعت نہیں پیدا ہو سکتی۔ نہ یہ اسی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ممکن ہے کہ اس عمل کو دو دو مہینے تک ممتد کر دیا جائے، کیوں کہ اس سے بعض صورتوں میں خطرہ ہے کہ انسان کے قوائے عمل پر غیر معمولی ضعف و کمزوری محیط ہو جائے اور یہ شریعت کو مطلوب نہیں۔ مثلاً شدید گرمی کے موسم میں اس کا برداشت کرنا احاطۂ امکان سے باہر ہے۔ اس لیے بہتر اور فطری صورت یہی تھی کہ اس کے لیے سال بھر میں ایک مہینے کا تعین کر دیا جاتا اور وہ ہمیشہ قمری حساب سے ہوتا تاکہ موسم میں تبدیلی پیدا ہوتی رہے۔ کبھی کوئی موسم آ گیا اور کبھی کوئی۔!

روزے کے سلسلے میں یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ اگر شریعت کو سال بھر میں ایک مہینہ ہی مقرر کرنا تھا تو خود لوگوں کو یہ اختیار کیوں نہیں دے دیا گیا کہ اپنی مرضی سے جو شخص جو مہینہ چاہے منتخب کر لے۔ یہ اختیار انسان سے شریعت نے سلب کر کے اس کو اپنے جائز حق سے کیوں محروم کر دیا؟ نیز روزے کے لیے رمضان ہی کا مہینہ کس بنا پر منتخب کیا گیا؟ کوئی اور مہینہ اس کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔؟

بات درحقیقت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اجتماعیت کی قائل ہے۔ اس میں جو مقام و مرتبہ اور جو افضلیت و شرف اجتماعیت کو حاصل ہے، وہ انفرادیت کو ہرگز حاصل نہیں۔! مثلاً اگر یہ ہوتا کہ لوگوں کو ان کی صواب دید پر چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ روزے کے لیے سال بھر میں جو چاہے مہینہ منتخب کر لیں تو اس سے اجتماعیت ختم ہو جاتی۔ یعنی یہ ہوتا کہ کوئی شخص جاڑوں میں روزے رکھنا شروع کر دیتا اور کوئی موسمِ گرما میں۔! اس سے وحدتِ عمل کا خاتمہ ہو جاتا۔ سب کے لیے ایک ہی مہینے کے تعین میں اصل باعث یہ ہے کہ شرق و غرب اور جنوب و شمال کے مسلمانوں میں یہ نظم پایا جائے کہ وہ ایک ہی مہینے میں یہ اہم فرض انجام دیں گے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کو دیکھ کر استعدادِ عمل بڑھتی ہے، نیکی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، بھوک پیاس کی شدت میں کمی کا احساس پیدا ہوتا ہے، ایک کو دیکھنے سے دوسرے کی ڈھارس بندھتی ہے۔ رہا رمضان کے مہینے کا تعین، تو یہ اس لیے کیا گیا کہ جب سال میں کسی مہینے کو یہ شرفِ تعین حاصل ہونا ہی تو تھا تو کیوں اس کے لیے رمضان المبارک ہی کو منتخب نہ کیا جاتا۔ اس لیے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں نزولِ قرآنِ حکیم ہوا۔ اس میں لیلۃ القدر واقع ہے جو برکتوں اور سعادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں بے شمار دینی فوائد حاصل ہوئے۔ گویا اسلام کی ایک پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تاریخ اس سے وابستہ ہے۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ وہ کون منزل ہے، جس کو عبور کیے بغیر کوئی شخص روحانیت کے مقام علیا پر فائز نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوضہ فرائض سے عہدہ برآ ہونا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔

اس کی پہلی منزل یہ ہے کہ انسان نمازِ پنج گانہ پابندی سے ادا کرے، سال بھر رمضان کے روزے رکھے، فجر اور عشا کی نماز بالخصوص باجماعت پڑھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رُو سے اس کا اجر قیام اللیل کے مترادف ہے۔ روزے میں اس کی تمام کیفیات کو قلب و نظر کے زاویوں میں لائے اور اس کے سب ارکان کی ادائیگی کا پورا اہتمام کرے۔ مثال کے طور پر قیام اللیل کو معمول ٹھہرائے، کھانے پینے اور جنسی تعلقات سے کنارہ کش ہونے کے علاوہ زبان اور دوسرے اعضا کو ناپسندیدہ اور ناشائستہ حرکات سے محفوظ رکھے۔ عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے التزام سے رکھے، عرفہ اور عاشورہ کے روزے قضا نہ ہونے دے، رمضان کے عشرہ آخر میں اعتکاف کرے ___ یہ وہ امور ہیں جو روزے کے احکام و آداب کے تشریعی اصول سے متعلق ہیں اور ان کی حیثیت اس باب میں تمہید و توطیہ کی ہے۔

## روزے سے متعلق احادیث کی تشریح

اب ان چند احادیث کی تشریح پر نظر ڈالیے جو روزے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ (وفی روایۃ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ) وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں (ایک روایت میں ہے رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں) دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں۔

رمضان المبارک میں ابواب جنت یا ابواب رحمت کا کھلنا، ابواب جہنم کا بند ہو جانا اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دینا مسلمان کے لیے مختص ہے، کفر و طغیان میں مستغرق لوگوں سے اس کا کوئی تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نہیں۔ کیوں کہ یہ لوگ اپنی عادتِ مستمرہ کے مطابق جب بدعملی اور بدکرداری کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے ان کے نامۂ اعمال پر رمضان میں معصیت و تمرد کے مزید دھبے پڑجاتے ہیں، لیکن جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے سرفراز ہوتے ہیں، وہ دن کو روزہ رکھتے اور شب کو اللہ کے حضور قیام کرتے ہیں۔ اس سے بہ حسابِ مراتب و استعداد ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان کے اعمالِ حسنہ کے مجموعی پیمانہ کے باعث معصیت میں کمی پیدا ہوجاتی ہے اور شیطان کو اپنے عزم و ارادہ میں پیہم ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے یعنی شیطان روزہ دار کے عزم و ہمت کے مقابلے میں بے بس ہوجاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی شر انگیز اثر آفرینیوں میں کمی واقع ہوجاتی ہے اور روزے دار کے لیے جنت کے دروازے وا ہوجاتے ہیں —— ملائکہ اس کے گرد ہجوم کر لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس کے قلب و ذہن سے بہیمیت و سرکشی کے جذبات کم ہوجاتے ہیں، اور ہر طرف انوار و فیوض کی ایک دل نواز اور روح پرور کیفیت جلوہ گر ہو جاتی ہے، اور یہی وہ شی ہے جس کے سامنے شیاطین شکست کھاجاتے ہیں اور یاس و ناامیدی سے میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں —— پس یہی وہ کیفیت ہے جو عبارت ہے شیاطین کے زنجیروں میں جکڑے جانے اور روزے دار کے لیے جنت و رحمت کے دروازے کھل جانے سے۔!

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

جس شخص نے تقاضائے ایمان کے تحت اور طلبِ ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہوں کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتا ہے۔

پورے ماہِ رمضان کے روزے رکھ لینے سے یہ امید ابھر آتی ہے کہ روزے دار میں روحانیت و ملکیت کا جوہر چمک اٹھے اور اس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں کامیاب ہوجائے، اس کا ابرِ رحمت اس پر چھاجائے اور وہ اس کی مسلسل بارش سے معصیت و گناہ سے پاک ہو جائے اور اس کو جن غلط کیفیات نے گھیر رکھا ہے، اس کے برعکس اب صحیح کیفیات اس کے روح جسم پر جاری و ساری ہوجائیں۔

دوسری حدیث میں آنحضرت فرماتے ہیں: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی جس شخص نے ایمان کے تقاضے کے پیشِ نظر اور طلبِ ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ عبادت اگر ایسے وقت میں کی جائے جب کہ پوری دنیا پر روحانیت و پاکیزہ روشنی کا دور دورہ ہو اور انسان پر ایک مثالی کیفیت طاری ہو تو وہ عبادت قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور جسم کا ہر گوشہ اور روح کی ہر تہہ اس سے متاثر و منفعل ہوتی ہے۔ اور اسی ساعتِ سعید کی وہ عبادت ہے جو اگرچہ تھوڑی ہو، لیکن اثر انگیزی میں وہ لطف پیدا کرتی ہے جو دوسرے اوقات کی اس سے کئی گنا زیادہ عبادت بھی نہیں کر پاتی۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آتا ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ أَجْلِي۔

یعنی ہر نیکی کا اجر کئی گنا زیادہ ملتا ہے، یہاں تک کہ بعض نیکیوں کا اجر سات سو گنا تک جا پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ روزہ ان اعداد و شمار سے مستثنیٰ ہے، وہ خالص میرے لیے ہے اور اس کے اجر کی مقدار خود میں ہی متعین کروں گا۔ کیوں کہ روزہ دار اپنے کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی کو میرے ہی لیے ترک کرتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جب انسان ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنے قلب و ضمیر کا تعلق اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لیتا ہے تو اس کی روحانیت جاگ اٹھتی ہے اور وہ تمام علائق نفسانی سے مبرّہ و منزّہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس حالت میں وہ جو عبادت بھی کرے گا پورے اطمینانِ قلب اور کامل یکسوئی سے کرے گا، اور اس کے درجات و مراتب میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا۔

روزے کو مقدارِ اجر کی تعیین سے اس بنا پر مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ فقط اللہ کی رضا جوئی کے لیے رکھا جاتا ہے اور انسان خلوص و دیانت کے تمام لوازم کے ساتھ اس کو نبھاتا ہے، اس لیے ضروری ٹھہرا کہ اس کے اجر و ثواب کی راہ میں اندازہ و مقدار کی تعیین کا پیمانہ حائل نہ ہو اور اس کا تعلق براہِ راست اللہ سے رہے ۔۔۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حدیث میں آتا ہے:

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ، فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



روزے دار کے لیے دو مسرتیں ہیں، ایک مسرت تو اُسے روزہ افطار کرنے کے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری مسرت اپنے رب سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔

پہلی قسم کی مسرت تو بالکل فطری اور طبعی ہے کیوں کہ جو شخص اپنے مطلوب و مقصود کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ یقیناً مسرت و شادمانی کی دولت سے ہمکنار ہوتا ہے، اس کی طبیعت خوش ہوتی ہے اور قلب میں بہجت و انبساط کی بے پایاں لہر دوڑ جاتی ہے۔ دوسری خوشی کا تعلق روحانیت و ملکیت سے ہے۔ روزے کی حالت میں انسان چونکہ مادی علائق سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اس کی وابستگی اللہ کے ساتھ مختص ہو جاتی ہے، اس لیے ظاہر ہے اسے ذاتِ اقدس سے ملاقات کے وقت خوشی ہونی ہی چاہیے۔ کیوں اسی غرض سے تو اس نے سب چیزوں کو ترک کیا ہے اور بہیمیت و سبعیت کو مغلوب کر کے اپنی اطاعت کیشیوں کا مرکز محض اللہ کو قرار دیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ

کہ (دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے) روزے دار کے منہ میں جو بو پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزے کی عبادت کو خاص درجہ حاصل ہے، اسی طرح اس کے اثرات و نتائج بھی اس کے نزدیک محبوب و مقبول ہیں اور عالمِ مثال میں اس کا تمثل بعینہٖ عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

دوسری جگہ آنحضرت کا فرمان ہے: اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ

کہ روزہ انسان کے لیے برائی سے ڈھال کا درجہ رکھتا ہے۔

یعنی جس طرح ڈھال آدمی کو دشمن کے وار سے محفوظ رکھتی ہے، ٹھیک اسی طرح روزہ بھی روزے دار کو نفسِ امارہ سے مصئون اور شیطان کے شر سے مامون رکھتا ہے، اور یہ اس کی حفاظت و صیانت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر روزے دار کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ زبان کو یاوہ گوئی اور اعضا و جوارح کو ناشائستہ حرکات کے صدور سے بچا کر رکھے۔ حتّٰی کہ (جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) اگر کوئی شخص روزے دار کو فحش کلامی اور بدتمیزی سے پیش آئے تو اس کے مقابلے میں بھی دائرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تہذیب سے باہر قدم نہ نکالے اور زبان کو بدکلامی سے پاک رکھے اور کہے:

اِنِّیْ صَائِمٌ

میں روزے سے ہوں۔

لہٰذا اپنے جذبات کو بے قابو نہیں ہونے دوں گا۔

اسلام سے پہلے بھی روزے کا رواج تھا اور بطور عبادت کے لوگ روزہ رکھتے تھے۔ لیکن اس کو انھوں نے تکلیف دہ مجاہدہ اور نفس کشی کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ نفس کو مغلوب و مقہور رکھنے کے لیے اس میں بہت سی بدعات و خرافات کو دخیل کر لیا تھا۔ اسلام چوں کہ فطری مذہب ہے اور انسانی طبیعت کے عین مطابق ہے، لہٰذا رہبانیت اور تعمق سے اس کو کوئی واسطہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہر قسم کی بدعات و خرافات کے ارتکاب سے سختی کے ساتھ روک دیا، یہاں تک کہ رمضان کا چاند ہونے سے ایک روز پہلے روزہ رکھنے سے بھی شریعت نے منع فرما دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ مِنْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمًا اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ فَلْیَصُمْ ذَالِکَ الْیَوْمَ۔

کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ کسی شخص کی روزہ رکھنے کی عادت ہو، اور اتفاق سے وہ دن رمضان سے ایک دن پہلے آتا ہو۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شک اور عید کے دن کا روزہ رکھنے سے بھی روک دیا۔ کیوں کہ اس طرح کی ڈھیل سے خطرہ ہے کہ آنے والی نسلیں اس میں مزید اختراعات کر لیں گی، اور تکلف تعمق اور رہبانیت کے اعتبار سے وہی پہلی امتوں کی عادات و اطوار امتِ محمدیہ میں بھی آ جائیں گی۔

اسی بنا پر شریعت نے سحری کو ضروری اور باعثِ برکت قرار دیا ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً

سحری کیا کرو، سحری میں برکت ہے۔

روزے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ روح کو اس طرح بالیدگی مہیا کی جائے کہ جسم کی کمزوری اور نقاہت آخری نقطے تک پہنچ جائے۔ بلکہ مقصد، روح و جسم دونوں کو تر و تازگی بخشنا، آرام و آسائش مہیا کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تکلیف مالایطاق سے محفوظ رکھنا ہے۔ اسی لیے حدیث قدسی میں افطار کے لیے عجلت کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ آنحضرتؐ کی زبانی اللہ کا فرمان ہے:

اَحَبُّ عِبَادِیْ اَعْجَلُهُمْ فِطْراً۔

میرے سب سے محبوب بندے وہ ہیں جو روزہ افطار کرنے میں عجلت سے کام لیتے ہیں۔

دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔

جب تک لوگ روزہ افطار کرنے میں عجلت کرتے رہیں گے، نیکی پر رہیں گے۔

شریعت نے روزے کے وصال، یعنی رات دن کا اکٹھا روزہ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ لوگ تکلیف سے بچے رہیں۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَهْلِ الْکِتَابِ اَکْلَةُ السَّحَرِ۔

ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کھانے کا فرق ہے۔

اسلام کو چوں کہ روزے کے بارے میں رہبانیت اور تکلف و تعمق کا سدّباب کرنا مقصود تھا، اس لیے اس نے سفر کی حالت میں بھی ترکِ روزہ کی اجازت مرحمت فرمادی، بلکہ بعض مواقع پر تو مسافر سے سخت الفاظ میں کہا ہے کہ اس رعایت سے ضرور فائدہ اٹھائے اور روزہ بہرحال ترک کرے۔ واضح لفظوں میں فرمایا:

لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ، ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ بِالْاَجْرِ۔

حالتِ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سفر میں غیر روزہ دار اجر و ثواب کے مستحق قرار پاگئے۔

اگر روزے سے شریعت کا مقصد محض انسان کو تنگ کرنا اور بھوکا پیاسا رکھنا ہوتا، اس کے پیچھے روحانیت کا کوئی جذبہ اور ملکوتیت کا کوئی داعیہ کارفرما نہ ہوتا تو سفر میں روزے سے ہرگز منع نہ کیا جاتا، بلکہ اس کو زیادہ موجبِ اجر اور باعثِ ثواب گردانا جاتا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ اسلام نے روح اور جسم دونوں کی توانائی اور بالیدگی کا خیال رکھا ہے۔

## رمضان کا آخری عشرہ

اب رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طرف آیئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسی چیزیں ودیعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فرمائی ہیں، جو انوار و برکات سے بھرپور ہیں، ایک لیلۃ القدر اور دوسرے اعتکاف۔

لیلۃ القدر وہ مبارک و مقدس رات ہے کہ جس میں ملائکہ صفوہ ارض پر اُترتے اور اس پر روحانیت و ملکوتیت کے جوہر نچھاور کرتے ہیں - ان کے انعکاس سے اہلِ دنیا پر ایک عجیب قسم کی روحانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس کے فیوض و انوار کی ضیا پاشیوں سے ملائکہ مردِ مومن کے قریب آتے ہیں، اور شیطان متوحش و مایوس ہو کر دور بھاگتے ہیں۔

اس متبرک و مقدس رات کی عبادت کو اللہ کے نزدیک بے پناہ شرف و فضیلت حاصل ہے۔ یہ رات جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، رمضان کے آخری عشرہ میں طاق راتوں میں آتی ہے۔ جس بلند بخت اور خوش نصیب شخص نے اس رات کو پالیا، وہ روحانیت و ملکوتیت کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو گیا۔

رہا اعتکاف، تو یہ درحقیقت لیلۃ القدر ہی کے حصول کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، اور اسی بنا پر اسے رمضان کے آخری عشرہ میں مشروع ٹھہرایا گیا ہے۔ جب بندہ مومن اعتکاف کی غرض سے مسجد میں بیٹھ جاتا ہے اور فراغِ خاطر اور صفائے قلب کے لیے ہمہ تن تیار ہو کر میدانِ عمل میں اُتر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں اور اس کا ابرِ کرم اس کو محیط ہو جاتا ہے ـــــ اعتکاف میں ایک حکمت یہ بھی پنہاں ہے کہ جب بندہ علائق دنیوی سے الگ ہو کر گوشۂ مسجد میں چلا جاتا اور مالوفاتِ نفس کو ترک کر دیتا ہے تو لازماً اس میں عبادت کے لیے رغبت بڑھ جاتی ہے اور نیکی کا شوق دل میں کروٹ لینے لگتا ہے۔

---

(بقیہ نقد و نظر)

"امیر العلما ہیں"۔ "رئیس المصنفین ہیں" ان کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے"۔ وہ صاف لفظوں میں لکھتے ہیں: "علومِ اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے (ص ۲۲)

اقبال، سید سلیمان ندوی کے مرتبہ علمی سے خوب آگاہ تھے۔ وہ ان کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا"... (ص ۲۸)

"اقبال اور سید سلیمان ندوی" رجالِ اقبال کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ طاہر تونسوی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر ایک علمی خدمت انجام دی ہے۔

© rasailojaraid.com